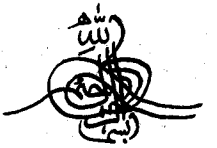

الاستصحاب

جناب مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب جامعہ نظامیہ لاہور

علماء حق کے نزدیک یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان کو اپنی زندگی میں جو بھی واقعات و حوادثات پیش آتے ہیں۔ شریعت اسلامی میں ان کا حکم یا تو بالفعل موجود ہے یا اسلامی اصولوں کو اساس بنا کر ان کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض احکام کے لیے قرآن و حدیث میں نص موجود ہے اور باقی کے احکام ان نصوص کی روشنی میں وضع کردہ اصولوں سے معلوم کئے گئے ہیں یا کئے جا سکتے ہیں ایسے مجموعہ احکام کا نام "فقہ اسلامی" ہے جب بھی کوئی واقعہ رونما ہوگا اور اس کے بارے میں قرآن و حدیث میں نص موجود ہوگی تو اس نص کا اتباع کرنا ضروری ہوگا۔ اور اگر نص موجود نہیں ہوگی تو دوسرے ادلہ شرعیہ سے اس کا حکم معلوم کرنا واجب ہوگا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اصول فقہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"کل ما نزل بمسلم ففیہ حکم لازم وعلی سبیل الحق فیہ دلالۃ موجودۃ وعلیہ اذا کان فیہ بعینہ حکم اتباعہ، واذا لم یکن فیہ بعینہ طلب الدلالۃ علی سبیل الحق فیہ بالاجتہاد، والاجتہاد القیاس۔

ترجمہ: یعنی مسلمان کو کوئی مسئلہ بھی درپیش ہو اس کے بارے میں حکم کا ہونا لازمی ہے اور اس کے لیے راہ حق کی دلالت موجود ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اگر بعینہ حکم مل جائے تو اس پر عمل کرے ورنہ اصول شرعیہ سے اجتہاد کے ذریعہ حکم معلوم کرے۔ اسی اجتہاد کا

نام قیاس ہے۔

بعض مستشرقین اور ان سے متاثرین کا خیال ہے کہ تشریع اسلامی کے ان مصادر میں اتنی لچک اور وسعت نہیں ہے جو جدید تحریکات۔ بدلتے زمانوں۔ مختلف الطبائع اقوام کے تغیر پذیر متنوع وقائع اور مقتضیات کا ساتھ دے سکیں۔ غالباً ان کے اس وہم کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سمجھا کہ قرآن و سنت کے نصوص شرعیہ چند ہیں اور جن واقعات کے لیے ان کے احکام مشروع کئے گئے وہ بھی محدود ہیں اور شارع نے ان احکام کی تشریع کے وقت جس معاشرے کے احوال و مقتضیات کو ملحوظ رکھا ہو گا وہ دوسری اقوام کے حالات و مقتضیات سے مختلف ہوں گے اور جن امور میں قرآن و سنت کی نص موجود نہیں ہے ان کی تشریع کے لیے جو اصول وضع کئے گئے ہیں وہ بھی ایسے قیود و شرائط کے ساتھ پابند کر دیئے گئے ہوں گے جن سے ان کا دائرہ نہایت تنگ ہو گیا ہو گا۔ حالانکہ ان کی یہ سوچ واقع کے بالکل خلاف اور متضاد ہے وہ قرآن و سنت کے اصولوں کی ہمہ گیری اور وسعت کو سمجھنے سے قاصر رہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت کے اصولوں کو مسائل انسانی پر تطبیق میں نہ تو کوئی جمود ہے اور نہ مصالح ناس سے ان میں کوئی تصادم ہے بلکہ ان کا مبنیٰ مصالح ناس کے حصول دفع ضرر۔ رفع حرج اور اباحۃ اصلیہ پر ہے۔

شریعت اسلامیہ میں عملی احکام کی تشریع کے مصادر یا تو وہ تشریعی نصوص ہیں جو کتاب و سنت میں وارد ہوئے ہیں یا ان نصوص سے متفرع وہ اصول ہیں جن کو شارع نے خود ہی ان احکام کی تشریع کے لیے وضع کر دیا ہے جن کے لیے نص وارد نہ ہوئی ہو۔ ان اصول میں واضح ترین اجماع اور قیاس ہیں۔ ان کے علاوہ بعض وہ بھی ہیں جن پر بعض مجتہدین نے ان ہی ادلہ شرعیہ کی روشنی میں اپنے اجتہاد کی بنیاد رکھی ہے مثلاً استحسان۔ استصحاب۔ اباحۃ اصلیہ مراعاۃ عرف۔ مصالح مرسلہ وغیرھا اور ان سب کا مرجع درحقیقت قیاس ہی ہے۔ اور قیاس کا حجت ہونا قرآن کریم کی ان آیات سے ثابت ہے۔

۱۔ يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ

ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا۔ [1]

۲۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔ [2]

اور مندرجہ ذیل حدیث پاک سے ثابت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ لما اراد ان یبعث معاذا الی الیمن قال لہ کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ فان لم اجد فیسنۃ رسول اللہ۔ فان لم اجد اجتہد رأی ولا آلو فضرب رسول اللہ صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ۔ [3]

آئندہ صفحات میں قارئین کے استفادہ کے لیے ہم استصحاب پر تفصیلی بحث کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

استصحاب

تعریف لغوی استصحاب لغت میں بمعنی مصاحبت ہے۔ کہا جاتا ہے استصحبت فی سفری الکتاب والرفیق۔ میں نے کتاب یا رفیق کو سفر میں اپنا ساتھی بنایا۔

اصطلاحی تعریف اہل اصول کی اصطلاح میں استصحاب کسی حکم کو جو ماضی میں کسی دلیل سے ثابت ہو چکا ہو اب بھی قائم رکھنا جب تک کہ کوئی دلیل مغیر موجود نہ ہو۔ یا کسی حکم کی جو ماضی میں ثابت بالدلیل ہو چکا ہو مصاحبت اور ملازمت

---

[1] سورہ نساء ۵۹

[2] سورہ حشر ۲

[3] احمد ابوداؤد

کا اعتبار اس واقع کے لیے کرنا جب تک کوئی ایسی دلیل نہ پائی جائے جو اس مصاحبت کے قطع پر دلالت کرے۔ بعض نے کہا کہ حکم ثابت کی بقاء کا حکم کرنا اس وجہ سے کہ کوئی دلیل مغیر علم میں نہیں آئی نہ اس وجہ سے کہ کوئی دلیل مبقی معلوم ہے۔ بعض نے کہا کہ حکم ثابت کی بقاء کا حکم کرنا ہے اس وجہ سے کہ اس کی بقاء یا عدم بقاء کی کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس کی وجہ سے اس حکم کے زوال کا احتمال ہوتا۔ درحقیقت یہ سب عبارات ایک ہی معنی کو ادا کرتی ہیں۔

استصحاب کی اقسام

پھر استصحاب کی چند صورتیں ہیں (۱) استصحاب عقلی (۲) استصحاب شرعی (۳) استصحاب فقہی۔

۱۔ استصحاب عقلی

اس سے مراد وہ حکم ہے جس کا وجوب۔ امتناع۔ حسن اور قبح محض عقل سے جانا گیا ہو۔ یہاں استصحاب کے حجت ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

۲۔ استصحاب شرعی

اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی حکم شرعی کی ہمیشگی یا توقیت اسی حکم میں بیان کر دی گئی ہو جیسے اہل قذف کے بارے میں ہے: ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا [1] کہ ان کی گواہی کبھی بھی قبول مت کرو اس حکم کی ہمیشگی منصوص ہے اور جیسے جہاد کے بارے میں یہ حدیث پاک اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ یعنی جہاد قیامت تک جاری ہے۔ اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں۔

دوسری یہ کہ حکم تو ثابت بدلیل مطلق ہوا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد بھی واجب العمل رہا خواہ دلیل بقاء کے قیام کی وجہ سے ہو یا دلیل مزیل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ اس کے حجت ہونے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

۳۔ استصحاب فقہی

اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی حکم دلیل سے ثابت ہو یہ دلیل اس حکم کی بقاء و استمرار پر دلالت نہ کرے اور مجتہد باوجود کوشش کے کوئی ایسی دلیل نہ پا سکے جو اس حکم کو بدلنے والی ہو یہ استصحاب فقہاء کے درمیان مختلف فیہ

---

[1] سورہ النور: ۴

ہے اور ہمارا موضوع بحث یہی استصحاب ہے۔

اختلاف مذاہب مع ادلہ

امام مالک امام احمد رحمۃ اللہ علیہما اور شوافع کی اکثریت مثلاً المزنی۔ الصیرفی۔ اور ابن شریح کے نزدیک یہ شرعیات میں حجت ملزمہ متبعہ ہے یعنی ان کے نزدیک ہر وہ حکم جو ماضی میں ثابت ہو گیا جب تک کوئی مغیر دلیل نہ پائی جائے اس حکم کی بقاء کا حکم کریں گے یا یوں کہیے کہ جو حکم ماضی میں ثابت تھا وہ اب بھی باقی ہے جب تک کہ دلیل مغیر حکم نہ پائی جائے۔

احناف اور بعض شوافع کا مذہب یہ ہے کہ استصحاب بقاء حکم کے لیے حجت نہیں ہے بلکہ بقاء حکم کے لیے بھی اسی طرح مستقل دلیل کی ضرورت ہے جس طرح ثبوت حکم کے لیے۔

احناف میں سے بعض متاخرین مثلاً قاضی امام ابو زید۔ صدر الاسلام ابو الیسر اور ان کے متبعین کا قول یہ ہے کہ استصحاب کسی نئے حکم کے اثبات کی حجت بننے کی صلاحیت تو نہیں رکھتا اور نہ خصم پر کسی الزام کے لیے حجت ہے لیکن ابطال عذر اور دفع کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس فی حق نفسہ اس پر عمل واجب ہے لیکن غیر پر اس سے حجت پکڑنا صحیح نہیں۔ علماء احناف میں سے علامہ علاء الدین بخاری نے کشف الاسرار عن اصول البزدوی میں اس اختلاف کو یوں واضح کیا ہے کہ استصحاب ہر اس حکم میں متحقق ہوتا ہے جس کا وجوب یعنی ثبوت دلیل سے جانا گیا ہو پھر اس کے زوال میں شک واقع ہو گیا ہو تو یہ اس وجوب کے بقاء پر استصحاب حال ہو گا یعنی حال بقاء کو وجوب کا مصاحب بنانا۔ یہ استصحاب دلیل موجب ہو گا جس سے خصم پر حجت پکڑنا صحیح ہو گا اور ہمارے یعنی احناف کے نزدیک یہ استصحاب ایجاب یعنی الزام کے لیے نہیں ہو گا لیکن حجت دافعہ یعنی غیر کے الزام کو دفع کرنے اور اس کے استحقاق کو دفع کرنے کی دلیل ہو گا۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ استصحاب حجت تو سب کے نزدیک ہے مگر احناف اسے محض حجت دافعہ سمجھتے ہیں وہ اسے حجت موجبہ و ملزمہ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ حجت دافعہ بھی ہے اور حجت موجبہ و ملزمہ بھی ہے اب ہم ہر دو یعنی مثبتین اور مانعین کے دلائل اور ان کے مذہب پر متفرع مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔

مثبتین استصحاب کے دلائل

مثبتین کے دلائل کی بناء ان چار امور پر ہے:

۱- بقاء ما کان علی ما کان حتی یطرء ما یغیرہ۔

۲- الیقین لا یزول بالشک۔

۳- الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔

۴- الاصل فی الانسان براءۃ الذمۃ۔

اب ہم مثالوں کے ذریعہ ہر ایک پر بالتفصیل بحث کرتے ہیں۔

(۱) استصحاب کو حجت ماننے والوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ لوگوں کی فطرت اور معاملات میں ان کا عرف یہی ہے کہ جب کسی امر کا وجود متحقق ہو جائے تو ظن غالب یہی ہوگا کہ جب تک اس کا عدم ثابت نہ ہو وہ حکم باقی ہے مثلاً جو کسی کو زندہ جانتا ہو وہ اس سے خط و کتابت اسی گمان پر کریگا کہ وہ اب تک زندہ ہے۔ جو میاں بیوی کے درمیان ماضی میں زوجیت کو جانتا ہوگا وہ فی الحال بھی ان کے درمیان زوجیت کی شہادت بقاء زوجیت کے ظن کی بناء پر دے دے گا۔ قاضی کے سامنے کسی ماضی کی تاریخ میں کسی چیز پر ملکیت کی سند پیش کر دی جائے تو قاضی فی الحال ملکیت کا قبضہ اس کو دلا دے گا۔ اسی طرح قاضی کے سامنے دو گواہ ماضی میں دین کی شہادت دے دیں تو قاضی فی الحال اس دین کی ادائیگی کا حکم دے گا۔ یہ تمام امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ما کان کو علی ما کان سمجھا جائے جب تک کوئی دلیل مغیر حکم ظاہر نہ ہو۔

(۲) مثبتین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو حکم بالیقین ہو وہ شک سے زائل نہیں ہوتا مثلاً جس[۱] نے نماز کے لیے وضو کیا پھر اسے شک ہو گیا کہ مجھے حدث ہو گیا یا نہیں وہ اسی وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے شک کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جس[۲] نے نکاح کیا ہو پھر اسے طلاق دینے میں شک ہو گیا تو اس کے

کے لیے یہ بیوی حلال ہے شک کا اعتبار نہیں ان سب کی بنا ر اسی اصول پر ہے کہ الیقین لا یزول بالشک جس کو ہم دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ جو حکم ماضی میں ثابت ہوگیا وہ اس وقت تک باقی ہے جب تک دلیل مغیر اسی قوت کی نہ پائی جائے یعنی یقین کو یقین زائل کرے گا۔ شک سے یقین زائل نہیں ہوسکتا یہی استصحاب ہے اور اس کے لیے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَأتِي أَحَدَكُمْ فيقول احدثت احدثت فلا ينصرفن حتى يسمعَ صَوتاً أَوْ يَجِدْ رِيحًا۔

(۳) ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جب کسی مجتہد سے کسی حیوان۔ جماد۔ نبات یا کسی کھانے پینے کا حکم دریافت کیا جائے اور وہ بحث و اجتہاد کے باوجود اس کے حکم پر دلیل شرعی نہ پائے تو وہ اس کی اباحت کا حکم کرے گا کیونکہ الاصل فی الاشیاء اباحۃ بدلیل قولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً[1]۔ یہی استصحاب ہے کیونکہ دلیل مغیر یعنی دلیل حرمت کی عدم موجودگی میں اباحت اصلیہ کا حکم باقی ہے۔ اسی لیے اہل اصول کا قول ہے کہ فتویٰ کا آخری مدار استصحاب پر ہے۔

(۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ قاضیوں نے اپنے احکام کی بنا ر استصحاب پر رکھی ہوتی ہے کیونکہ بری شخص پر ثبوت دین کا فیصلہ نہیں کریں گے جب تک ثبوت دین کی دلیل قائم نہ ہو کیونکہ الاصل فی الانسان براءۃ الذمۃ ذمہ کی براءت تو اصلاً ثابت ہے اب کسی دلیل مغیر کے بغیر اس ذمہ کے مشغول بالدین ہونے کا حکم نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ براءت کا حکم ابھی باقی ہے یہی استصحاب ہے۔

مانعین استصحاب کا موقف و دلائل

مانعین کا موقف یہ ہے کہ استصحاب حجت دافعہ ہے حجت ملزمہ نہیں ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ استصحاب سے جو حال ثابت ہوتا ہے وہ

---

[1] سورہ بقرہ: ۲۹

صاحب حال کے لیے اس کے مخالف کے خلاف ایسی حجت ہے کہ صاحب حال کی مدافعت کرتی ہے لیکن صاحب حال کے لیے اس کے مخالف پر کسی چیز کو لازم اور ثابت نہیں کرتی پس استصحاب کسی دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اس وقت تک حجت نہیں بن سکتا جب تک اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے دلیل قائم نہ کی جائے۔ اس کی وضاحت مفقود کے مسئلہ میں ہو جاتی ہے۔ مفقود اس غائب کو کہتے ہیں جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے۔ مر گیا ہے یا زندہ ہے۔ وہ جب غائب ہوا تو اس کی زندگی ثابت تھی اور اصل "بقاء ما کان حتی یثبت ما یغیرہ" ہے پس اصل یہی ہے کہ اس کی زندگی کی بقاء کا ظن رکھا جائے گا تا وقتیکہ کسی دلیل حسی یا حکم قضاء موتہ سے اس کی وفات ثابت ہو جائے پس جب اس کے ترکہ کی تقسیم کا مطالبہ کریں گے تو ان کا مطالبہ دفع کر دیا جائے گا کیونکہ بدلیل استصحاب اس کی زندگی ثابت ہے۔ اسی طرح اگر اس کی بیوی تفریق کا مطالبہ کرے یا کوئی فسخ اجارہ کا مطالبہ کرے تو بدلیل استصحاب اس کی زندگی ان کے دعوی کے دفع پر حجت ہو گی لیکن اگر اس مفقود کا ایسا بھائی فوت ہو جائے جس کا مفقود کو وارث بننا تھا۔ اور مفقود کا قیم مفقود کے لیے وراثت کا مطالبہ کرے تو اس کے مطالبہ کی تسلیم کے لیے اس کی یہ زندگی جو بدلیل استصحاب ثابت ہے حجت نہیں بن سکتی بلکہ مفقود کا حصہ مفقود کا حقیقی حال منکشف ہونے تک کے لیے احتیاطاً محفوظ کر لیا جائے گا۔ پس بدلیل استصحاب اس کی جو زندگی ثابت ہے وہ اس کے لیے دفع کی دلیل ہے اثبات کی دلیل نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مفقود کی زندگی ایک اعتباری اور ظنی زندگی ہے کیونکہ استصحاب ماضی کے امر کا حال میں بقاء کا صرف ظن ہے اور وراثت کی شرط مورث کی موت کے بعد وارث کی زندگی کا حقیقتاً موجود ہونا ہے۔ لہٰذا وارث کی زندگی کا ظن اس کے وارث بننے کے لیے کافی نہیں ہے حیاۃ اعتباریہ جو بالجزم نہیں بلکہ بالظن ثابت ہے وہ مفقود کے خلاف کسی دعویٰ کو دفع تو کر سکتی ہے لیکن مفقود کے حق میں کسی دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتی۔

اسی طرح صلح علی الانکار کا مسئلہ ہے کہ مالغین استصحاب یعنی احناف کے نزدیک

جائز ہے اور مثبتین یعنی شوافع کے نزدیک جائز نہیں ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ زید نے بکر کے مقبوضہ مکان کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے اور بکر نے اس کے دعویٰ کا انکار کر دیا - اب زید کو چاہئے کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے گواہ قائم کرے ورنہ بکر حلف اٹھائے کہ مکان میرا ہے اور زید جھوٹا ہے مگر ہوا یہ کہ بکر نے مثلاً دس ہزار روپے زید کو دے کر صلح کر لی احناف کے نزدیک یہ صلح جائز ہے اور شوافع کے نزدیک ناجائز ہے شوافع کا موقف یہ ہے کہ مکان بکر کا مقبوضہ ہے اور الاصل فی الانسان براۃ الذمۃ لہٰذا بدلیل استصحاب یہ مکان بکر کا ہے اور زید کا دعویٰ باطل ہے زید کا مکان میں کوئی حق نہیں ہے زید کا دس ہزار روپے لینا کسی حق کے عوض میں نہیں ہے لہٰذا ناجائز ہے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بکر کا قبضہ اور برأۃ ذمہ کی وجہ سے بدلیل استصحاب زید کا دعویٰ مدفوع ہوگا یعنی گواہ قائم کیے بغیر مانا نہ جائے گا کیونکہ استصحاب محض حجت دافعہ ہے لیکن بکر کے انکار سے زید کا دعویٰ باطل نہیں ہوگا کیونکہ جس طرح زید کا قول کہ مکان میرا ہے خبر محتمل ہے اس سے بکر کا انکار باطل نہیں ہوتا اسی طرح بکر کا قول کہ مکان زید کا نہیں ہے خبر محتمل ہے اس سے زید کا دعویٰ باطل نہیں ہوتا پس یہ بدل صلح یعنی دس ہزار روپے زید کے دعویٰ کا عوض قرار پائے گا اور بکر کے حلف کا فدیہ قرار پائے گا لہٰذا یہ جائز ہے -

اسی طرح مسئلہ شفعہ ہے - کہ مکان دو آدمیوں کے درمیان مشترکہ تھا ایک نے اپنا حصہ فروخت کر دیا دوسرے کو حق شفعہ ہے دوسرے نے مشتری سے شفعہ طلب کیا مشتری نے کہا کہ تم اس حصہ مکان کے جس کی وجہ سے شفعہ طلب کر رہے ہو مالک ہی نہیں ہو بلکہ تم نے یہ حصہ کرایہ پر یا عاریۃً لے رکھا ہے احناف کے نزدیک مشتری کا یہ قول مانا جائے گا اور جب تک شفیع بذریعہ بینہ اپنی ملک ثابت نہ کر دے اس کا حق شفعہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ شفیع کا قبضہ اگرچہ بظاہر دلیل ملک ہے مگر یہ حجت ملزمہ نہیں ہے کہ بشفیع کے حق شفعہ کو لازم کر دے اور شوافع کے نزدیک محض قبضہ کی وجہ سے شفیع کے لیے حق شفعہ ثابت ہو جائیگا کیونکہ ان کے نزدیک قبضہ جو اصل ہے حجت دافعہ بھی ہے اور حجت ملزمہ بھی ہے -

مسئلہ تعلیق عتق عبد کی اصل بھی استصحاب ہے - اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آقا

نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر آج تو فلاں گھر میں داخل نہ ہوا تو تو آزاد ہے دن گزرنے کے بعد دونوں میں اختلاف ہو گیا آقا کہتا ہے تو گھر میں داخل ہوا لہٰذا آزاد نہیں اور غلام کہتا ہے میں گھر میں داخل نہیں ہوا لہٰذا میں آزاد ہوں گواہ نہ ہونے کی صورت میں احناف کے نزدیک آقا کا قول مانا جائے گا غلام آزاد نہیں ہوگا کیونکہ یہاں اگرچہ اصل عدم دخول ہے مگر یہ حجت ملزمہ نہیں ہے کہ آقا کے قول کو باطل کر دے شوافع کے نزدیک غلام کا قول مانا جائے گا اور وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ اصل عدم دخول ہے جس کا غلام مدعی ہے اور یہ حجت ملزمہ ہے گویا کہ اس نے عدم دخول پر گواہ قائم کر دیئے لہٰذا غلام کا قول مانا جائے گا اور وہ آزاد ہو جائے گا۔

فریقین کے عقلی دلائل

مزید وضاحت کے لیے ہم فریقین کے کچھ اور دلائل بھی ذکر کرتے ہیں۔

مثبتین نے استصحاب پر ایک عقلی دلیل یہ قائم کی ہے کہ جب ایک حکم دلیل سے ثابت ہے اور اس کا کوئی معارض نہ قطعاً ہے نہ ظناً تو وہ حکم اسی دلیل سے باقی رہے گا۔ کیا نہیں دیکھتے کہ جو حکم نص سے ثابت ہوا تھا وہ اسی نص کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد بھی ثابت رہے گا۔ منسوخ نہیں ہو سکتا کیونکہ نص موجب بعد وفات بھی باقی ہے۔ صاحب میزان نے اس دلیل کو یوں بیان کیا ہے کہ حکم جب شرعاً ثابت ہو گیا تو ظاہر اس کا دوام ہے کیونکہ اس کے ساتھ دینی اور دنیوی مصالح متعلق ہیں اور مصلحتیں جلدی نہیں بدلا کرتیں پس جب مجتہد نے دلیل مزیل تلاش کی اور اسے ظاہر نہیں ہوتی تو ظاہر عدم ہی ہے اور یہ بھی ایک قسم کا اجتہاد ہے اور بقاء حکم بھی بالاجتہاد ثابت تھا اس لیے اس کے مثل اجتہاد سے بلا مرجح ترک نہیں کیا جا سکتا اور یہ خصم پر حجت ہو گی جیسے کسی نے قیاس صحیح کیا اور خصم نے اس کا انکار کیا اور بذریعہ ایسے قیاس کے اس کا معارضہ کیا جسے اول کے مقابلہ میں کوئی ترجیح حاصل نہیں تو منکر محجوج بہ ہوگا اس لیے کہ یہ ایک ایسا حکم ہے جس کی بقاء اجتہاد سے ثابت ہو چکی ہے یہ کسی ایسی دلیل سے ہی زائل ہو سکتا ہے جو اول پر ترجیح رکھتی ہے اگرچہ اس نے اول میں شبہ پیدا کر دیا۔ فقہاء کے اس قول اِنَّ مَا اُمْضِیَ بِالْاِجْتِهَادِ لَا یُنْقَضُ

با جتہاد مثلہٗ کے یہی معنی ہیں: جو استصحاب کو حجت نہیں مانتے ان کا تمسک یہ ہے کہ اس کے لیے نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ شرعی۔ موضع خلاف میں ثبوت حکم پر کوئی دلیل نہیں اس لیے کہ کسی حکم شرعی کے ثبوت کے بعد اس حکم کے تغایر پر عقل مطلقاً دلالت نہیں کرتی اسی طرح تغایر حکم نہ کوئی شرعی دلیل کتاب وسنت سے ہے نہ اجماع ہے نہ قیاس ہے۔ حکم کے ثبوت کے بعد بقاء کے لیے دلیل کی کیا حاجت ہے لہٰذا استصحاب پر عمل کرنا عمل بلا دلیل ہے۔

استصحاب کو ابقاء ما کان علی ما کان کی حجت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ بقاء کو دلیل موجب کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا حکم تو صرف ثبوت ہے اور تمسک بالاستصحاب تو تعارض ادلہ کا موجب ہے۔ اس لیے کہ جس نے کسی فعل کی صحت یا کسی فرض کے سقوط کے حکم کا استصحاب کیا تو خصم کو حق ہوگا کہ وہ اس کے مقابلہ میں اس حکم کے خلاف کا استصحاب کرے جیسے کہ اگر یہ کہا جائے کہ متیمم جب قبل صلوٰۃ پانی دیکھ لے تو اس پر وضوء لازم ہے تو اسی طرح نماز میں داخل ہونے کے بعد اگر پانی دیکھ لے تب بھی بالاستصحاب وضوء لازم ہوگا۔ اسی حکم کا معارضہ یوں ہو سکتا ہے کہ نماز کا شروع کرنا اور انعقاد احرام جب بالاجماع صحیح ہو گیا اور نماز میں پانی دیکھنے کے بعد اس کی بقاء میں شبہ واقع ہو گیا تو بطریق استصحاب اب اس کے بقاء کا حکم کیا جائے گا جس سے ایسی صورت حال یعنی تعارض ادلہ پیدا ہو جائے وہ باطل ہے۔

نیز مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو دلیل موجب یعنی کسی حکم شرعی کی مثبت ہو وہ موجب بقاء نہیں ہو سکتی کیونکہ بقاء اور چیز ہے اور ثبوت اور چیز تو پھر اس سے بقاء کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے تاکہ ایجاد کے بعد افتاء صحیح ہو سکے۔ اگر ایجاد کو موجب بقاء مان لیا جائے جیسے کہ وہ موجب وجود ہے تو ایجاد کے افتاء کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ماہیت کی موجودگی میں افتاء محال ہے جیسے کہ بحال ثبوت زوال کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وجود وعدم کا جمع ہونا محال ہے اور چونکہ افتاء صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ ایجاد موجب بقاء نہیں ہے۔ پس اس طرح چونکہ حکم ثبوت کے بعد نسخ کا احتمال رکھتا ہے تو معلوم ہوا

کہ اس کی دلیل بقاء کو واجب نہیں کر سکتی کیونکہ مزیل و مثبت کے درمیان اجتماع محال ہے کیا نہیں دیکھتے کہ جب وہ موجب ہے تو اس کے حکم کے ثبوت کی حالت میں اس کا نسخ جائز نہیں کیونکہ کسی چیز کے ثبوت کی حالت میں اس کا رفع محال ہے۔

ہماری یہ دلیل مسلم ہے کہ جو دلیل کسی چیز کے ثبوت کی موجب ہوگی وہ اس کے بقاء کی موجب نہیں ہوگی اس لیے کہ بقاء کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا زمانہ اول میں ہونے کے بعد اس کا زمانہ ثانی میں ہونا اور یہ معنی بمنزلہ اعراض کے ہے جو حادث ہیں کیونکہ بقاء کے معنی باقی سے ماوراء ہیں۔ بایں دلیل کہ کوئی شئی اولاً موصوف بالوجود ہوتی ہے موصوف بالبقاء نہیں ہوتی کیونکہ ہمارا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ موجود ہوئی اور باقی نہ رہی۔ اگر بقاء نفس وجود ہوتی تو اول حال میں اس کا وجود بقاء سے منفک نہ ہو سکتا اور اس حال میں اس کا بقاء کے ساتھ متصف ہونا صحیح ہوتا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ بقاء وجود کے ماسوی ہے جس کا فی نفسہ کوئی قیام نہیں جیسے کہ باقی صفات تو یہ بمنزلہ اس عرض کے ہوئی جس کا حدوث کسی شئے میں بعد وجود ہوتا ہے مثلاً سفیدی۔ سیاہی۔ حرکت۔ سکون وغیرہ پس کسی شئے کے وجود کی علت اس کے غیر کے وجود کی علت نہیں ہو سکتی۔ یعنی کسی شئے کا نفس وجود کسی دلیل آخر کے انضمام کے بغیر کسی دوسرے عرض کے وجود کی علت نہیں ہو سکتا پس حکم کا نفس وجود اس حکم کے بقاء کی جو اس کا ایک عرض ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے کی علت نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ جو دلیل موجب للحکم ہوگی وہ موجب للبقاء نہیں ہوگی پس بقاء کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوگی بلکہ دلیل مزیل کے عدم علم پر مبنی ہوگی جس میں اس کے وجود کا احتمال بھی ہوگا۔ پس وہ غیر پر حجت نہ بن سکے گی۔ لیکن جب اس نے دلیل مزیل کے طلب پر جدوجہد صرف کی اور اس پر کامیاب نہ ہوا تو اس میں عمل جائز ہو گیا۔ کیونکہ اس کی طاقت میں اس کے سوا اور ہے بھی کیا۔ پس اشتباہ کے وقت اسے اپنی تحری پر عمل جائز ہو گیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کی یہ دلیل کہ استصحاب یعنی حکم کا زمانہ ثانی میں ثبوت کا قول کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے اس لیے کہ جو وجود یا عدم کا موجب ہے وہی بقا کا موجب ہے۔ اور حکم شرعی عدمی ہو یا وجودی وہ متصف بالبقاء ہوتا ہے پس وہ اسی وصف کے ساتھ متصف باقی رہے گا جو اپنی دلیل سے ثابت ہوا تھا یہاں تک کہ کوئی مغیر موجود ہو۔

بخلاف ان اعراض کے جو موصوف بالبقاء نہیں ہوتے وہ علت سے کسی ساعت اور کسی لحظہ مستغنی نہیں ہوتے کیونکہ ان کا حدوث جزءاً جزءاً ہوتا ہے اس لیے وہ علت

کے محتاج ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام بزدوی حنفی نے اس کا جواب یہ دیا کہ بقاء بمنزل اعراض کے ہے ترادف و توالی سے پیدا ہوتی ہے پس یہ دلیل سے مستغنی نہیں ہو سکتی اور دلیل مبقی میں شک واقع ہو گیا لہذا شک کی موجودگی میں یہ غیر پر حجت نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب بقاء ثبوت کے علاوہ کوئی اور حادث ہے کہ اس کے لیے دلیل اور سبب کا ہونا ضروری ہے جیسے ثبوت کے لیے سبب کا ہونا ضروری ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہوا کہ بقاء بلا دلیل ثابت ہے یا عدم مزیل کی طرف منسوب ہے۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ موجود کی بقاء در حقیقت بابقاء اللہ تعالیٰ مزیل کے وجود کے زمانہ تک ثابت ہے جیسے کہ خود موجود کا وجود بایجادہ تعالیٰ ہے مگر یہ کہ وجود کا ایک سبب ظاہر ہے جس کی طرف اس کی نسبت ہے اور بقاء کا کوئی سبب ظاہر نہیں ہے اس لیے یہ کہا گیا ہے کہ بقاء بلا دلیل ثابت ہے بایں معنیٰ کہ وہ ظاہر میں کسی سبب کی محتاج نہیں ہے نہ یہ کہ وہ بالکل کسی مبقی کی بھی محتاج نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جب کسی انسان کی موت ثابت ہو گی یا کسی مکان کی بناء ثابت ہو گی تو اس کی ابتداء سبب ظاہر کی محتاج ہو گی حالانکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ وہ بایجاد اللہ تعالیٰ ثابت ہے جیسا کہ متولدات کے مسئلہ میں معروف ہے۔ لیکن اس کی بقاء سبب ظاہر کی محتاج نہیں ہے بلکہ وہ بابقاء اللہ تعالیٰ باقی ہے یہاں کوئی ایسا سبب ظاہر نہیں ہے جس کی طرف اس کو مضاف کر دیں۔

اسی طرح حکم شرعی اپنے ابتداء ثبوت میں دلیل کا محتاج ہوتا ہے اور جب دلیل سے ثابت ہو جائے تو وہ بابقاء اللہ تعالیٰ باقی رہتا ہے بغیر کسی ایسی ظاہر دلیل کے جو اس کی بقاء پر دلیل کرے۔ تاوقتیکہ کوئی مزیل پایا جائے۔ اور جب تک عدم مزیل کا علم حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک بقاء کا علم بھی حاصل نہیں ہوتا۔ پس بقاء کا ثبوت مزیل کے عدم علم کی وجہ سے ہے نہ کہ عدم مزیل کے علم کی وجہ سے لہذا یہ حجت علی الغیر کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مزیل کے عدم علم کی وجہ سے بقاء کا علم حاصل نہیں ہو گا تو اس کا ظن غالب تو حاصل ہو گا پس طلب مزیل میں کوشش اور اس میں کامیاب نہ ہونا اور دلیل ظنی شرع میں یقین کی طرح حجت ہے لہذا اس سے غیر پر الزام صحیح ہے جیسے قیاس سے صحیح ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہر ظن شرع میں معتبر ہے بلکہ صرف وہی دلیل ظنی معتبر ہے جس کے اعتبار پر دلیل قطعی قائم ہو گئی ہو۔ جیسے قیاس اور خبر واحد۔ اور یہاں نہ کوئی دلیل قطعی موجود ہے اور نہ ظنی۔ لہذا اس سے غیر پر حجت پکڑنا صحیح نہیں ہے جیسے اس

ظن سے جو تحری سے پیدا ہوا ہو غیر پر حجت پکڑنا صحیح نہیں۔

قاضی امام نے تقویم میں ذکر کیا ہے کہ استصحاب سے حجت پکڑنا عمل بلا دلیل ہے۔ انہوں نے استصحاب فی المعدوم وفی الموجود کی مثالیں ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ اس لیے کہ عدم کا ثبوت نہ تو عدم کی بقاء کو واجب کرتا ہے اور نہ علت موجبہ کی نفی کرتا ہے اسی طرح عدم کے بعد کوئی چیز وجود میں آجائے تو اس کے وجود کا ثبوت اس کے وجود کی بقاء کو واجب نہیں کرتا کیا نہیں دیکھتے کہ تیرا کسی چیز کو نہ خریدنا تجھے خریدنے سے منع نہیں کرتا اور نہ خریدنے پر مجبور کرتا ہے اور جب تو خرید لے گا تو تیرا یہ خریدنا ملک کو ثابت کر دے گا لیکن اس کی بقاء کو واجب نہیں کرے گا بلکہ ملک کی بقاء عدم مزیل ملک کی وجہ سے ہوگی لیکن اس سے مزیل کے حدوث کا منع لازم نہیں آتا یعنی تو بیع یا ہبہ کر کے ملک کو زائل کر سکتا ہے۔ انسان کی حیوٰۃ جو کسی علت کی وجہ سے ہو اس کی بقاء کو واجب نہیں کرتی اور نہ اس پر موت کے طاری ہونے کو منع کرتی ہے۔ پس جب حالت ثانیہ کے مستقبل میں دوام کے اثبات کا ارادہ اس کے حالت اولیٰ میں ثبوت کی وجہ سے کیا حالانکہ وہ اس کے دوام کو موجب نہیں ہے بلکہ وہ اپنی بقاء کی دلیل سے مستغنی ہونے کی وجہ سے باقی ہے لہٰذا یہ محتج بلا دلیل ہے۔

احناف کی طرف سے شوافع کے استدلال کا جواب

جہاں تک فعل طہارت۔ ملک بالشراء اور اس کے امثال کا تعلق ہے وہ مسئلہ شہادت ہے اس کا ہمارے ان مباحث یعنی استصحاب سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو بقاء بالدلیل ثابت ہے اس لیے کہ شراء کا حکم ملک موبد ہے اسی طرح دوسرے مسائل نکاح۔ وضوء۔ حدث وغیرھا بایں دلیل کہ ان احکام کی صراحتاً توقیت صحیح نہیں اگر وہ یہ کہتا کہ میں نے یہ چیز اتنے عرصہ کے لیے خریدی۔ اس وقت تک کے لیے وضوء کیا یا نکاح کیا کہ فلاں وقت تک مجھے حلت رہے تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں ہوتا یا تو عقد فاسد ہو جاتا یا شرط فاسد ہو جاتی۔ اگر یہ احکام موبد نہ ہوتے اور ان کی بقاء بالاستصحاب ہوتی تو ان کی توقیت جائز ہوتی۔ مگر یہ احکام موبد ہونے کے باوجود کسی ایسے معارض ومناقض

کی وجہ سے سقوط کا احتمال بھی رکھتے ہیں جو ان کا نقیض اور ضد ہو جیسے بیع کا منا قض فسخ ہے کہ بیع کو فسخ عارض ہو جائے تو ملک جو بیع سے ثابت ہوئی تھی ساقط ہو جائے گی ۔ اسی طرح نکاح کو طلاق عارض ہو جائے طہارت کو حدوث عارض ہو جائے تو وہ ان کے احکام کے سقوط کا موجب ہوں گے پس معارض کے وجود سے قبل ان کا حکم تابید تھا لہٰذا ان کی بقاء بوجہ استصحاب نہیں بلکہ بوجہ دلیل تھی لہٰذا یہ غیر پر حجت کی صلاحیت رکھتی ہے ۔

رفع تعارض

یہاں کہا گیا کہ شراء سے ملک موبد ثابت ہوتی ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ شراء بقاء ملک کو واجب کرتی ہے جس طرح اصل ملک کو ثابت کرتی ہے اور شیخ الاسلام بزدوی نے محل نسخ میں کہا کہ شراء سے ملک ثابت ہوتی ہے نہ کہ بقاء ملک ۔ یہ بظاہر تناقض ہے ۔ اس تناقض کو علاء الدین بخاری نے کشف الاسرار میں یوں رفع کیا ہے کہ شیخ کے قول:

الشراء یوجب الملك دون البقاء سے مراد بقاء کی بالکلیہ نفی نہیں ہے بلکہ ایسی بقاء کی نفی ہے جس پر قاطع کے طاری ہونے کا احتمال نہ ہو ۔ یعنی شراء سے ملک اور بقاء ملک ہر دو ثابت ہوتے ہیں لیکن ملک کا ثبوت اس طرح ہے کہ اس سے تخلف کا احتمال نہیں یعنی یہ ممکن نہیں کہ شراء ہو اور ملک نہ ہو بخلاف بقاء کے کہ بقاء ملک کا ثبوت مع احتمال قاطع ہے یعنی شراء کے بعد قاطع ملک پایا جائے تو ملک باقی نہیں رہے گی ۔ پس شراء سے بقاء ملک کا ثبوت اس طرح نہیں ہے جس طرح ملک کا ثبوت ہے ۔ کیونکہ ملک تخلف کا احتمال نہیں رکھتی جب کہ بقاء ملک تخلف کا احتمال رکھتی ہے

یہاں شیخ الاسلام نے ایک ایسی مثال بیان کی ہے جس میں ہر دو مذاہب کے اختلاف کے باوجود حکم ایک ہے وہ اس طرح کہ ایک شخص نے کسی کے غلام کی آزادی کا اقرار کیا اور پھر اسی غلام کو اس کے آقا سے خود ہی خرید لیا بائع کا یہ عقد بالاتفاق جائز ہے اور بائع کو ثمن کے مطالبہ کی ولایت بالاتفاق حاصل ہے حالانکہ اقرار حریت اور

شرار میں تضاد ہے احناف کے نزدیک یہ عقد اس لیے صحیح ہے کہ بائع کا قول بعت هذا العبد اس ملک کو مستحب ہے جو اسے بدلیلہ پہلے سے حاصل ہے اس کو مشتری کا قول ہو حر باطل نہیں کر سکتا جو استصحاب وغیرہ کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے اگر بیع کو جائز نہ کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ مشتری کا قول ہو حر بائع کی طرف متعدی ہو یعنی بائع کے خلاف حجت موجبہ وملزمہ ہو اور بائع کا بعت کہنا باطل ہو جائے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ "چونکہ بائع اور مشتری دونوں میں کسی کا قول بھی دوسرے کے قول کو باطل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے یہ بیع جائز نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ جائز ہونے کی صورت میں بائع کے قول بعت هذا العبد نے مشتری کے قول هو حرٌ کو باطل کر دیا" اس لیے کہ یہ اس وقت لازم آتا جب کہ یہ عقد مشتری کے حق میں منعقد قرار دیا جاتا اور غلام اس کی ملک ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ یہ بیع بائع کے حق میں منعقد ہوئی ہے مشتری میں منعقد نہیں ہوئی اس لیے غلام آزاد ہوگا۔ بائع کو ثمن ملے گا مشتری کو غلام پر ملک حاصل نہیں ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ عقد بنسبت بائع صحیح ہے کیونکہ ان کے نزدیک بائع کا قول بعت اس ملک کی طرف راجع ہے جو اسے بوجہ شرار یا ہبہ یا ارث وغیرہ پہلے سے ثابت ہے اور اسی دلیل کی وجہ سے باقی بھی ہے اور وہ خصم پر حجت کی صلاحیت رکھتی ہے۔ بخلاف مشتری کے کہ اس کا قول هو حرٌ کسی ایسی اصل کی طرف راجع نہیں ہے اس لیے کہ مشتری کے پاس ثبوت حریت کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس کا قول بائع پر حجت نہیں ہو سکتا پس یہ عقد بائع کے حق میں صحیح ہے۔

الحمد للہ تعالیٰ ہماری اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ:

(۱) استصحاب بھی قیاس کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔

(۲) احناف کے نزدیک استصحاب صرف حجت دافعہ ہے ملزمہ نہیں ہے۔

(۳) باقی فقہاء کے نزدیک حجت دافعہ بھی ہے اور ملزمہ بھی ہے۔

(۴) احناف کا موقف حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

فالحمد للہ علی ذلک والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ الہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔